میمونہ سبحانی
لیکچرر، شعبہ اردو
گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد

نظیر اکبر آبادی کی شاعری میں تہذیب و ثقافت کی عکاسی

It is said that Nazeer's poetic treasure consisted of about 200,000 verses but unfortunately a bigger portion of it has been destroyed and only 6000 verses are available in printed form. He left for us about 600 ghazals, although his nazms are said to be more worthy of admiration. No other Urdu poet used as many variety of words as Nazeer did. Nazeer's poetry conveyed the plight of the common people in fact, Nazeer's growing popularity is due to his nazms. He was a "People's poet" and his nazms reflected various aspects of the daily life of his era, all types of religious and social events with containing minor details in which common people can be seen laughing, singing, enjoying, playing. He wrote nazams about religious and social festivals, such as Diwali, Holi, Eid, Shab-e-baraat, about fruits , about animals , birds, about seasons and even inanimate objects, such as paisa, rupaia, rotiyaan, atta-daal (meaning "flour" and "lentils"), "pankha" (meaning "fan") and "kakrhi" (a kind of cucumber). He wrote nazms about different aspects of human life.

انسان تنہا اس دُنیا میں سفر نہیں کرتا اس کا ماحول اس کے اردگرد کے حالات اور معاشرتی تبدیلیاں معاشرے پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ ادیب و شاعر اس معاشرے کا حساس طبقہ ہوتے ہیں۔ ان تبدیلیوں کو نہ صرف اپنی ذات کا حصہ بناتے ہیں۔ بلکہ ان کو اپنے اندر سموتے ہوئے ان تبدیلیوں کے ادراک کو اپنی تخلیقات کا روپ دیتے ہیں۔ یہ تخلیقات جب معاشرے کے افراد کے لیے موضوع بحث بنتی ہیں۔ تو ذاتی غم اجتماعی غم کی صورت لیے تمام لوگوں کے لیے وجہ تسکین بن جاتا ہے۔ دُنیا کا کوئی معاشرہ ایسا نہیں ہے۔ جہاں تہذیب و روایات کو ادب کا حصہ نہ بنایا گیا ہو۔ کوئی بھی معاشرہ اپنی ثقافت کے بغیر صحیح معنوں میں نہ تو وجود میں آ سکتا ہے اور نہ ہی کھڑا ہو سکتا ہے۔ شیما مجید لکھتی ہیں:

> ”ہر قوم کی ثقافت اور اس کے معیاری عناصر کا تعین اور اس کے تشخص کے مسائل ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔ ہماری دانست میں ثقافت ایک ایسی ہمہ گیر اصطلاح ہے جو ہماری زندگی کے تمام پہلوؤں پر محیط ہے اور اسی انسان نے ثقافت کے جوہر سے ہمارا تشخص پیدا کیا ہے۔“(۱)

اُردو زبان و ادب کی مختلف اصناف میں تہذیب کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ اُردو کی دیگر اصناف میں شاعری قدیم صنف سخن ہے۔ اور لامحالہ اس کا درجہ بہرحال بلند ہے۔ اُردو شاعری نے برصغیر کے لوگوں کی تہذیبی و ثقافتی زندگی اور جذبات کی سچی ترجمانی کی ہے۔ ڈاکٹر نجیب جمال رقم طراز ہیں:

''تیزی سے بدلتی ہوئی زندگی اور مشینوں کی گڑگڑاہٹ میں یہ اُردو شاعری ہی ہے۔ جو نہ صرف احساس کو ملاحت کا روپ عطا کرتی ہے۔ بلکہ محبت، وفا اور مروت جیسی اعلیٰ انسانی قدروں کی حاصل تہذیب کو زندہ کرتی ہے۔''(۲)

شاعری کی صنف انسان کی فطرت میں بھی تبدیلی لانے کا باعث بنتی ہے۔ شاعری انسان کے شعور میں تبدیلی لانے کا سبب بھی بنتی ہے۔ اور شعور کے انقلابی عمل سے جو تبدیلی پیدا ہوتی ہے وہ سماجی زندگی کے نئے روابط بھی اپنے ساتھ لاتی ہے۔ ممتاز حسین رقم طراز ہیں:

'' اخلاقی قدروں کا وجود اسی تربیت فطرت میں مضمر ہے۔ جب تک ایک نیا نظام اپنی ترقی یافتہ قدروں کی نگہبانی نہیں کرتا اور اپنی آزاد قوتوں پر نفس پرست بادشاہوں، امیروں اور جاگیرداروں کو قابض نہیں ہونے دیا ہے۔ اس وقت تک کلچر کے محرکات انسانی فطرت کی تعمیر میں حصہ لیتے رہے ہیں۔''(۳)

مارکسی فکری طاقتوں کو تاریخی ارتقا میں کم اہم نہیں سمجھا جاتا تہذیب کی ابتدائی منزلوں میں فنون لطیفہ نے جس طرح جنم لیا ہے اس دعوے کے ثبوت میں کہا جا سکتا ہے کہ ادب کا تعلق براہ راست زندگی سے رہا ہے۔ تخلیقی قوت کا استعمال اور آزادانہ تخلیقی سرگرمی انسان کا بنیادی منصب ہے۔ انسان تخلیقی عمل سے ہی بنیادی مسرت حاصل کرتا ہے۔ عظیم ادب یا فن پاروں کی تخلیق ہر دور میں ممکن نہیں ہوتی۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ معاشرتی حالات اور تہذیب و ثقافت ادب پر اثر انداز ضرور ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ معاشرے میں جہاں جہاں فنون لطیفہ سے کام لیا گیا ہے۔ دنیاوی فلاح و بہبود اور ترقی کی صورتیں وہاں زیادہ نظر آتی ہیں۔ شعر کی بنیاد ایسے خیال پر قائم ہونی چاہیے۔ جو ملک و قوم رنگ و نسل کے اختلاف سے گزر کر تمام نوعِ انسانی پر یکساں موثر ہو۔ شعر و ادب کی دُنیا میں نظیر اکبر آبادی کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ نظیر اکبر آبادی اُردو ادب کے وہ بڑے شاعر ہیں جنھوں نے نسلی ولسانی و مذہبی تعصب کے فرق کے بغیر شاعری کی زندگی کے ہر رنگ پر نظیر اکبر آبادی نے لکھا، نظیر اکبر آبادی کا پورا نام سید ولی محمد تھا۔(۴)

نظیر اکبر آبادی اس دور میں لکھ رہے تھے جب مرزا رفیع سودا، میر تقی میر، شیخ قلندر بخش جرات، انشاء اللہ خاں اور غلام ہمدانی بھی لکھ رہے تھے۔ نظیر اکبر آبادی کی شاعری میں صرف گل و بلبل کا تذکرہ نہیں ملتا بلکہ نظیر زندگی کے ہر رنگ میں اپنے آپ کو رنگین کر کے قاری کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ احتشام حسین لکھتے ہیں:

'' عوام سے یہی تعلق ہے۔ جس نے نظیر کے مطالعے کو مشکل بنا دیا ہے، قدیم کلاسیکل نقادوں اور تذکرہ نویسیوں نے عام لوگوں میں اس قدر گھلا ملا دیکھ کر سوقی اور بازاری شاعر کہہ دیا اور نئے نقادوں نے انہیں دورِ جدید کا بانی واقفیت اور جمہوریت کا علمبردار قرار دے دیا۔(۵)

نظیر اکبر آبادی کی شاعری نہ صرف ان کے عہد کی عکاسی ہے بلکہ آپ کی نظموں میں ایک تہذیبی رنگ بھی عیاں ہے۔ نظیر

اکبر آبادی فطرتاً آزاد انسان تھے۔ زندگی کے دوسرے معاملات کی طرح آپ معاشرے میں رائج کردہ قوانین سے بے نیاز تھے۔ جس دور میں نظیر اکبر آبادی نے شاعری کی یہ وہ زمانہ تھا کہ اُردو اپنے تمام مصطلحات و محاورات کے ساتھ مکمل ہو چکی تھی۔ قانون معاشرت بھی مرتب ہو چکا تھا۔ ہندوستان کی دو بڑی قومیں ہندو اور مسلمان باہم متحد تھے۔ مسلمان ہندوؤں کے اور ہندو مسلمانوں کے تہواروں اور میلوں میں کشادہ دلی سے شریک ہوتے تھے۔ اس دور میں نظیر اکبر آبادی کی شاعری پروان چڑھی:

''نظیر کے یہاں قدر اور معیار کا کوئی سوال بھی سر نہیں اُٹھاتا۔ ان کے تجربوں میں جیسی ششدر کر دینے والی بو قلمونی ملتی ہے۔ اس کی مثال اُردو سے قطع نظر دوسری زبانوں کے بڑے شاعر کے یہاں مشکل سے دکھائی دے گی۔'' (۶)

نظیر اکبر آبادی نے اُردو کی اشرافی اقدار سے منحرف ہو کر اپنے گرد و پیش زندگی کی عکاسی کی اور ایسے موضوعات کا انتخاب کیا جو دوسرے ہم عصر شعرا کے ہاں یا تو ہے ہی نہیں یا بہت کم ہے۔ وہ درحقیقت ایک عوامی شاعر ہیں۔ انہوں نے اپنے موضوع کا عوام سے تعلق پیدا کیا اور ہر چیز کو عوام کے نقطہ نظر سے سوچا، انہوں نے عوام کو کبھی نظر انداز نہ کیا، انہوں نے عوام کی ترجمانی کی تو عوام نے بھی انہیں زندہ رکھا۔ سنبل نگار لکھتی ہیں:

''ایک زمانے تک تو نظیر کے کلام کو قابل التفات ہی نہ سمجھا گیا اور جب ادھر توجہ ہوئی تو اہل نظر ایک غلط فہمی کا شکار ہو گئے، نظیر نے عوام اور ان کی زندگی کے متعلق عوامی زبان میں بہت سی نظمیں لکھی ہیں۔ اس لیے انہیں عوام کا شاعر کہا گیا ہے۔ لیکن ان کے کلیات کا مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے خواص کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔ ان کی شاعری کا ایک حصہ فارسی آمیز زبان میں ہے پورے شعری آداب کے ساتھ تعلیم یافتہ اصحاب کے ادبی ذوق کی تسکین کا سامان اپنے پہلو میں رکھتا ہے۔ اس لیے وہ عوام اور خواص دونوں کے شاعر ہیں۔'' (۷)

نظیر اکبر آبادی اُردو کے ان شاعروں میں شامل ہیں جنہوں نے سادہ زبان میں اپنے جذبات و خیالات کی عکاسی کی۔ نظیر اکبر آبادی نے بھی ورڈز ورتھ کی طرح عام موضوعات پر عام زبان میں شعر کہے اور اس کا ذائقہ عوام تک پہنچایا۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کا خیال ہے:

''اس حالت میں دل کے بنیادی جذبات کو زیادہ بہتر زمین میسر آتی ہے جس میں وہ پختگی اور بلوغ کو پہنچ سکتے ہیں۔ جہاں پر کم دباؤ ہوتا ہے۔ اور جہاں وہ زیادہ صاف اور زیادہ پر زور زبان میں اپنے جذبات کا اظہار کر سکتے ہیں۔ کیوں کہ زندگی کی اس حالت میں ہمارے بنیادی احساسات زیادہ سادگی کی حالت میں ہوتے ہیں اور اس لیے زیادہ صحیح طور سے ان پر غور و فکر کیا جا سکتا ہے۔ اور زیادہ پر زور طریقے سے ان کو ادا کیا جا سکتا ہے۔'' (۸)

نظیر اکبر آبادی ایک پورے معاشرے کو کھول کر اس کے تمام رنگ ہم پر عیاں کر دیتے ہیں۔ ایک جیتی جاگتی تہذیب، رسم و رواج اور لوگوں کا رہن سہن کھل کر ہمارے سامنے آ جاتا ہے۔ نظیر اپنے دور کے ہر قسم کے رسم و رواج، تقریبات کو اپنی نظموں کا حصہ بناتے ہوئے، ایک تہذیب کی بھرپور عکاسی کرتے ہیں اگر ہم ان کی نظموں کا جائزہ لیں تو مسلم، ہندو و تہوار اور ہر طرح کے انداز کی جیتی جاگتی تصویریں ملتی ہیں۔ سید وقار عظیم لکھتے ہیں:

"ہندوؤں اور مسلمانوں کے تہوار مثلاً عید، بقرعید، ہولی، بسنت، دیوالی ان کی چہل پہل اور گہما گہمی میلے ٹھیلے، اژدھام، خلائق، شوروشغب، رنگین اور زرق برق ملبوسات، موسم برسات، موسم سرما، پھل پھول، ترکاریاں، مٹی کے برتن، چھوٹے بڑے جانور اور بیسوں ایسی چیزیں اور مشاغل، ان سب سے امن کی متخیلہ کو تحریک ہوتی ہے۔ اور وہ ان کے ایسے موقع پیش کرتے ہیں جو حقیقت کی ترجمانی کرتے ہیں اور جن سے ان واقعات یا اشیاء کی جیتی جاگتی بولتی چالتی تصویریں سامنے آجاتی ہیں۔"**(۹)**

اس طرح نظیر اکبرآبادی اپنی شاعری میں اسلامی تقریبات کا ذکر کرتے ہیں جن سے اسلامی تہذیب اور رسم و رواج سے آگہی ملتی ہے۔ نظیر اکبرآبادی اپنی نظم "شب برات" میں لوگوں کے طور طریقوں کو بیان کرتے ہیں۔ کہ کس طرح مسلمان گھرانوں میں اس روز حلوہ پوری بنا کر محلے میں تقسیم کی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ لوگ جو ان چیزوں کا اہتمام نہیں کر سکتے۔ ان کی بے بسی کو بھی نظیر اکبرآبادی بڑے خوب صورت رنگ میں پیش کرتے ہیں جہاں حلوے، چپاتی، گیہوں اور روٹی کا ذکر کرتے ہیں وہیں شب برات پر نوجوان لڑکوں کے لڑائی جھگڑوں اور پٹاخے چلانے کی رسم کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ اس کا ذکر اپنی نظم میں یوں کرتے ہیں:

آ کر کسی کے سر پہ چھچھوندر لگی کڑی　　　اُوپر سے اور ہوائی کی آ کر پڑی چھڑی
ہو گئی گلے کا ہار پٹاخے کی ہر لڑی　　　پاؤں سے لپٹی شور مچا کر قلم تڑی

کرتی ہے پھر تو ایسی ستمگاری شب برات **(۱۰)**

ان اشعار سے پٹاخے چلانے کی رسم اور اس سے ہونے والے نقصانات کی عکاسی ہوتی ہے۔ جو کوئی فرضی یا خیالی بات نہیں ہے۔ بلکہ ایک حقیقی معاشرے میں لوگوں کے رسم و رواج اور تہذیب کو بیان کرتی ہے۔ مسلمانوں کی اسلامی تہذیبی تہواروں کی نشاندہی بھی نظیر کی شاعری میں نظر آتی ہے۔ اس کی ایک مثال "عید الفطر" ہے۔ اس نظم میں نظیر اکبرآبادی عید الفطر پر لوگوں کی خوشی اور مسرت کا ذکر کرتے ہیں۔ کہ ایسی خوشی نہ تو بقرعید پر ہوتی ہے۔ اور نہ ہی شب برات پر جو عید الفطر پر ہوتی ہے۔ اس نظم میں ایک پوری اسلامی تہذیب کا عکس رونما ہوتا ہے، عید کا چاند دیکھنے پر لوگوں کے چہروں پر جس طرح مسکراہٹیں پھیلتی ہیں اس کی عکاسی اس نظم میں نظر آتی ہے:

روزے کی خشکیوں سے ہیں جو زرد زرد گال
خوش ہو گئے وہ دیکھتے ہی عید کا ہلال
پوشاکیں تن میں زرد سنہری سفید لال
دل کیا کہ ہنس رہا ہے پڑائن کا بال بال
ایسی نہ شب برات نہ بقرید کی خوشی
جیسی ہر ایک کے دل میں ہے اس عید کی خوشی **(۱۱)**

ان تہواروں کی عکاسی کرتے ہوئے نظیر اکبر آبادی منظر کشی اتنی خوب صورتی سے کرتے ہیں کہ تمام مناظر ہماری آنکھوں کے سامنے آ جاتے ہیں۔ خواتین کا عید کے دن ہار سنگار کرنا عید کے حسن میں چار چاند لگا دیتا ہے۔ نظیر اکبر آبادی لکھتے ہیں:

کاجل حنا غضب مسی و پان کی دھڑی
پشوازیں سرخ سوسنی لاہی کی پھلجھڑی(۱۲)

اس طرح عیدگاہ اکبر آباد کے نام سے نظم لکھتے ہیں اور اس نظم میں نظیر اکبر آبادی عید گاہ کا منظر یوں بیان کرتے ہیں:

جھمکا ہے ہر طرف کو جو آباد لا بڑی
پوشاک میں جھمکتے ہیں سب تن ذری ذری
گلرو چمکتے پھرتے ہیں جوں ماہ و مشتری
ہے سب کے عید عید کی دل میں خوشی بھری
کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عیدگاہ میں(۱۳)

یہ نظمیں نہ صرف اس دور کی بلکہ ہمہ گیر اسلامی تہذیب کی بھی عکاس ہیں۔ ابوسعید نورالدین لکھتے ہیں:

’’نظیر کے کلام کی ایک اور خصوصیت مقامی رنگ کی آمیزش ہے۔ ان کے ہاں برصغیر کے رسم و رواج مناظر اور مشاہیر کا کثرت سے تذکرہ ملتا ہے۔‘‘(۱۴)

نظیر کے دور میں ہندواور مسلمان اکٹھے رہتے تھے۔ ایک دوسرے کے دُکھ درد میں شریک ہوتے تھے۔ مذہبی فرق ہر کسی کا ذاتی مسئلہ تھا۔ لیکن انسانیت کے ناتے ایک دوسرے کے خوشی اور غم میں شریک ہونا عزت کا باعث سمجھا جاتا تھا۔ اس لیے نظیر کی شاعری میں دونوں مذہب ہندو اور مسلم کے تہذیبوں اور تہواروں کی عکاسی بہت خوبی سے نظر آتی ہے:

‘‘He wrote nazams about religious and social as Diwali, Holi, Eid, Shab-e-barat about animals and birds about seasons and even innamate objects, such as paisa, rupaia and rotiyaan.’’(۱۵)

نظیر اکبر آبادی کی نظم ’’بسنت‘‘ سے اندازہ ہوتا ہے کہ بسنت کو اس دور میں باقاعدہ تہوار کے طور پر منایا جاتا تھا۔ سب اپنے عزیز و اقارب اور دوستوں کے ساتھ مل کر اہتمام کرتے تھے۔ بسنت کے موقع پر سرسوں کے رنگ کی پوشاکیں سلوائی جاتیں، عطر کے موتی (چنبے کا عطر ہوتا تھا) اس کے کڑے بنائے جاتے تھے۔ اور باقاعدہ بسنت کی ایک انجمن بنائی جاتی تھی۔ نظیر نے اپنی نظم بسنت میں اسے بیان کر کے ایک مکمل تہذیبی رنگ اور ہر قسم کے انداز اور لوگوں کے تقریبات کے حوالے سے تیاریوں ان کے مزاج اور طور اطوار سب کو اپنے اشعار میں سمو دیا ہے:

مل کر صنم سے اپنے ہنگام دل کشائی
ہنس کر کہا یہ ہم نے اے جا بسنت آئی
سنتے ہی اس پری نے گل گل شگفتہ ہو کر
پوشاک زرفشانی اپنی وہیں رنگائی(۱۶)

نظیر اکبر آبادی نے اپنی نظموں میں نہ صرف اسلامی تہذیب اور معاشرتی تقریبات کا ذکر کیا ہے بلکہ ہندو تہذیب اور ہندوؤں کے رسم و رواج اور ان کی روایات کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ نظیر اکبر آبادی نے ہندوؤں کی ایک رسم ہولی کے نام سے کئی نظمیں کہیں جو ہندوؤں کی تہذیب کے ساتھ جڑی ہوئی ہیں۔ ہولی کی تقریب میں ہندو ایک دوسرے پر رنگ پھینکتے ہیں:

خوشی کی دھوم میں ہر گھر میں رنگ بنوائے
گلال عبیر کے بھر بھر کے تھال رکھوائے
نشوں کے جوش ہوئے راگ رنگ ٹھہرائے
جھمکتے روپ کے بن بن کے سوانگ دکھلائے(۱۷)

نظیر اکبر آبادی اپنے دور کی تہذیب کے معمار ہیں۔ آپ نے تمام تہذیبی عناصر کو اپنی نظموں کا حصہ بنا کر ہمیشہ کے لیے امر کر دیا ہے۔ اسی طرح نظیر اکبر آبادی کی نظم ''دوالی کا سامان'' بھی ایک مکمل تہذیب کو لیے ہوئے ہیں۔ اس میں نظیر اکبر آبادی بیان کرتے ہیں کہ کس طرح دوالی کا دن سب کے لیے خوشی کا باعث بنتا ہے اور دیوالی کا دن بہار کی مانند ہوتا ہے۔ جو سب کے لیے خوشیاں لے کر آتا ہے۔ اس لیے تیاریاں ہوتی ہیں۔ جو اس دور کی تہذیب کی عکاس ہیں۔ اس کے بارے میں نظیر لکھتے ہیں:

جہاں میں یارو عجیب طرح کا ہے یہ تیوہار ۔۔۔ کسی نے نقد لیا اور کوئی کرے ہے ادھار
کھلونے کھیلوں بتاسوں کا گرم ہے بازار ۔۔۔ ہر اک دکاں میں چراغوں کی ہو رہی ہے بہار

سبھوں کو فکر ہے اب جا بجا دوالی کا (۱۸)

نظیر اکبر آبادی بلاشبہ ایک ذہین شخص تھے۔ آپ عید، شب برات، ہولی اور دیگر تہواروں پر خوشی کا اظہار کرتے تھے۔ ہندو و مسلم کی تفریق رکھے بغیر سب کے مذہبی عقائد سے عقیدت رکھتے تھے۔ عقیدت کا اظہار صرف تخیل کی حد تک نہیں ملتا، بلکہ روزمرہ کی زندگی اس کی کشمکش اس کا تضاد اس کے تجربات کی بنیاد پر ملتا ہے۔ محمد گل عباس کا خیال ہے:

''ان کے کلام کے مطالعے سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ عید صرف مسلمانوں کا نہیں بلکہ سماج کے ہر طبقے کا تہوار ہے اور ہولی صرف ہندو ہی نہیں کھیلتے بلکہ سب لوگ اس میں شریک نظر آتے ہیں وہ سہادیو کا ساہ ہو، بلاپو.جی کا میلہ ہو کہ کرن جی کا ان ہر نظم کے لیے جہاں دیوالی راکھی رسم کتھا بیان نرسی اوتار ورگا جی کے درشن بھیروں کی تعریف اور

کتھیا جی کا جنم سب نظم کے سانچے میں ملتے ہیں۔''

ہیں کہتے نازک شاہ جنہیں وہ پورے ہیں آگاہ گرو
وہ کامل رہبر جگ میں ہیں یوں روشن جیسے ماہ گرو
اس بخشش کے اس عظمت کے ہیں بابانا نک شاہ گرو
سب سیس نوا ارداس کرو اور ہر دم بولو واہ گرو**(۱۹)**

نظیر نے ہندو اور مسلم مذہب کا توازن اپنی شاعری میں اس طرح قائم رکھا ہے ۔ کہ بڑے سے بڑا مذہبی عالم بھی ان کی شاعری یا ان کی مذہبی عقیدت پر اعتراض نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ نظیر کی شاعری مذہبی تنگ نظری سے ہمیشہ دور رہی ہے۔ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا اس بارے میں لکھتے ہیں:

''نظیر کی یہی افتادِطبع اسے کامل مذہبی بے تعصبی سکھاتی ہے۔جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ وہ ہندو اور مسلمانوں کے تہواروں کو ہو بہو پیش کر دیتا ہے۔''**(۲۰)**

آپ خود عوام کا حصہ تھے ۔اس لیے اس عمل میں شریک رہے ۔آپ کی اکثر نظمیں عوام کی فرمائش پر لکھی گئیں، ان میں عید، بقر عید، ریچھ کا تماشا ، آدمی نامہ، ہنس نامہ، روٹی، بنجارہ نامہ، برسات، بہاریں ، الٰہی نامہ اور انجام جیسے عنوانات پر طویل نظموں کا ایک سلسلہ ملتا ہے۔ ان عنوانات پر غور کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ یہ عنوانات خود عوامی شاعر کی دلیل ہیں۔ ریاض صدیقی رقم طراز ہیں:

'' ان نظموں میں اس عہد کی پوری ثقافتی تاریخ در آتی ہے۔مسلمان مورخوں کی درسی کتابوں اور اساتذہ کے تذکروں میں برصغیر کے عوام ان کی تاریخ وتہذیب اور مسائلِ معاشرت کا کوئی پہلو موجود نہیں ہے۔۔۔۔اردو شاعری کی تاریخ میں صرف نظیر ہی ہیں جنھوں نے اس تاریخ وتہذیب کو سمیٹ کر محفوظ کیا ہے۔علم البشریات ، سماجیات ، تاریخ اور لسانیات پر تحقیقی کام کرنے والوں کو جن ماخذ کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان میں حکیمات نظیر سب سے اہم ہے۔ کلیات نظیر کو برصغیر کی ثقافتی تاریخ کہا جا سکتا ہے ۔'' **(۲۱)**

نظیر کی نظموں کے ذریعے ہمیں اس دور کی جیتی جاگتی تصویریں ملتی ہیں۔ جو ہر تہذیبی رنگ کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں۔ ''بلبلوں کی لڑائی'' ،''گلہری کا بچہ'' اور'' ریچھ کا بچہ'' ،'' کبوتر بازی'' جیسے موضوعات پر مبنی نظمیں ہر طرح سے تہذیب کا احاطہ کیے ہوئے ہیں:

ہیں عالم بازی میں جو ممتاز کبوتر
اور شوق کے طائر سے ہیں انداز کبوتر

بھاتے ہیں بہت ہم کو یہ طناز کبوتر
مدت سے جو سمجھیں ہمیں ہمراز کبوتر
پھر ہم سے بھلا کیوں کہ رہیں باز کبوتر **(۲۲)**

نظیر کی شاعری کا سب سے اہم موضوع انسان سے محبت ہے۔ ڈاکٹر نجیب جمال نظیر کی انسان دوستی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''ان کی عید، شب برات ، ہولی اور دیوالی جیسے تہواروں کے بارے میں نظمیں عوام دوستی کا مظہر ہیں۔نظیر کی ان نظموں میں تعصب سے نفرت اور انسانوں سے محبت کا موضوع عام ملتا ہے،نظیر کی رواداری کا یہ عالم ہے کہ وہ انسانی غلطیوں پر بھی مسکراتے اور چشم پوشی کرتے نظر آتے ہیں۔حقیقت تو یہ ہے کہ ان کی شاعری پڑھ کر انسانیت پر یقین بڑھ جاتا ہے۔ اور انسانوں سے محبت اور ہمدردی کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔'' **(۲۳)**

اسلوبیاتی اور لسانی حوالے سے کلیات نظیر اپنی مثال آپ ہے۔لیکن جمالیاتی تناظر بھی نظیر کی شاعری میں بے حد وسیع ہے۔ نظیر کی شاعری کی تہذیب عجمی اور مغل تہذیب تک محدود ہے۔ ریاض صدیقی رقم طراز ہیں:

''ان کے عقائد کی روایات اور ثقافتی صورتیں مختلف رنگ زاویے پیش کرتے ہیں۔ ان کی زمین اور موسم مختلف ہیں۔ لیکن یہ تمام اختلافات اجتمائی سطح پر ایک ایسی وحدت کا رنگ بھی پیش کرتے ہیں۔ جو خوب صورت مشرق کا رنگ ہے۔کلیاتِ نظیر اسی رنگ سے مالا مال ہے۔'' **(۲۴)**

نظیر اکبر آبادی کی شاعری میں عوامی موضوعات بہت زیادہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری تہذیب کے اثرات لیے ہوئے ہے۔نظیر اکبر آبادی نے لوگوں کے دکھ بانٹے ، ان کے دکھوں کو بھی اپنی شاعری میں جگہ دی۔ ہمیشہ برابری اور مساوات کا درس دیا۔ ہندوستانی تہذیب و تمدن کو نمایاں کیا اور اپنے عہد کو اپنی شاعری میں سمو دیا۔ انسانی دوستی سے نظیر کو بہت محبت تھی۔ اور شاید یہ عہد نظیر کی انسان دوستی کی وجہ سے بہت خوب صورت نظر آتا ہے۔ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کے بقول:

''نظیر ہر اعتبار سے عوامی شاعر ہیں کہ انہوں نے یہاں عوام کی نظر و نیاز اور پھول چڑھانے کی ان رسموں کا بھی ذکر کر دیا ہے جن کا مذہب میں جواز ہو یا نہ ہو عوام کے عقیدے میں دخل ضرور تھا۔'' **(۲۵)**

نظیر کی شاعری کے مطالعے سے یہ واضح ہوتا ہے ۔ کہ نظیر کی شاعری انسان دوستی اور تہذیب و تمدن کا مرقع ہے۔نظیر پر ناقدین کا جو اعتراض تھا کہ وہ عام زبان میں شاعری کرتے ہیں اور بازاری لوگوں کا دل خوش کرتے ہیں۔ اعتراض ان کی شاعری کی صفت بن گیا، مقامی جذبات ،مذہبی تعصب اور فرقہ وارانہ جھگڑوں سے نظیر کی شاعری پاک ہے۔ ناصر سلطان کاظمی رقمطراز ہیں:

'' ان کی شاعری کے عام موضوعات پیرائیہ اظہار اس تہذیب کے اثرات اور یہاں کے مقامی رنگ لیے ہوئے ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ نظیر اکبر آبادی اردو کا پہلا باقاعدہ عوامی شاعر ہے۔ ان کی بعض نظمیں مثلاً ''بنجارہ''، ''آدمی نامہ''، ''شب برات''، ''روضہ تاج گنج''، ''بچپن'' وغیرہ ہماری لوک شاعری کا حصہ بن چکی ہیں۔'' **(۲۶)**

نظیر کی شاعری نے ایک بڑے خطہ ارضی کے لوگوں کی ترجمانی کی ہے۔ نظیر کی شاعری کے آئینے میں ہم آج بھی عوام کے جذبات اور محسوسات کا عکس تلاش کر سکتے ہیں۔ نظیر کی شاعری ان کی سیرت اور زمانے کی مکمل عکاس ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نظیر اکبرآبادی کی شاعری تہذیبی اور انسانی قدروں کے کھو جانے کی سب سے بڑی نوحہ خواں دکھائی دیتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ شیما مجید، فیض احمد فیض اور پاکستانی ثقافت (مرتبہ) کراچی: پاکستان اسٹڈی سینٹر، ۲۰۰۶ء، ص ۱۳

۲۔ نجیب جمال، ڈاکٹر، اُردو شاعری کی تہذیب، (امیر خسرو سے غالب تک) بہاولپور: جزیرہ تحریر، ۲۰۰۷ء، ص ۱۱

۳۔ ممتاز حسین، نقد حیات، الہ آباد: ہاؤس، ۱۹۵۰ء، ص ۲

۴۔ احتشام حسین، سید، ذوق ادب اور شعور، الہ آباد: س۔ن

۵۔ نظیر اکبر آبادی ۱۷۳۵ء میں آگرہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام سید محمد فاروق تھا۔ نظیر کے بچپن اور جوانی کا ابتدائی حصہ بہت ہی خوشی اور مسرت کے جھمیلوں میں گزرا۔ نظیر کی جائے پیدائش کے متعلق دو متضاد روایتیں ملتی ہیں۔ کہ آپ کا وطن دہلی تھا۔ لیکن نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی کے حملوں کے بعد دہلی چھوڑ کر آپ نے آگرہ میں سکونت اختیار کی۔ خارجی شواہد کی عدم موجودگی کے باعث قطعیت سے نہیں کہا جا سکتا۔ کہ ان میں سے کون سی روایت صحیح ہے۔ لیکن یہ درست ہے کہ نظیر دہلی میں ہی پیدا ہوئے۔ ان کی تعلیم کا حال معلوم نہیں البتہ ان کی کلیات کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ انہیں فارسی ادب پر خاصا عبور حاصل تھا۔ فارسی ادب پر نظیر کی دسترس سے اس امر کی تائید ہوتی ہے۔ کہ ان کا ذریعہ معاش درس و تدریس رہا۔ انہیں فارسی ادب پر اچھا خاصا عبور حاصل تھا۔

۶۔ شمیم حنفی، تاریخ، تہذیب اور تحقیقی تجزیہ، دہلی: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۲۰۰۳ء، ص ۵۳

۷۔ سنبل نگار، اردو شاعری کا تنقیدی مطالعہ، علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۲۰۰۸ء، ص ۲۲۲

۸۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، ارسطو سے ایلیٹ تک، اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۱۹۷۵ء، ص ۲۴

۹۔ وقار عظیم، سید، تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند، ساتویں جلد (اردو ادب دوم) ۱۷۰۸ تا ۱۸۰۳، لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ص ۸

۱۰۔ نظیر اکبر آبادی، کلیات نظیر، مرتبہ: مولانا عبدالباری آسی، مکتبہ شعر و ادب، لاہور، ۱۹۸۶ء، ص ۴۱۷

۱۱۔ ایضاً، ص ۶۱۸

۱۲۔ ایضاً، ص ۴۶۰

۱۳۔ ایضاً، ص ۴۴۰

۱۴۔ نورالدین، ابوسعید، تاریخ ادبیات اردو، جلد دوم، ص ۵۸۶

۱۵۔ www.wikipediaara/wiki/nazeerakbarabadiandnootrv.

۱۶۔ کلیات نظیر، ص۴۲۴

۱۷۔ ایضاً، ص ۴۲۵

۱۸۔ ایضاً، ص ۴۴۱

۱۹۔ محمد گل عباس اعوان، ڈاکٹر، اردو میں انسان دوستی: عثمان پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۸ء، ص ۱۲۵

۲۰۔ محمد زکریا، ڈاکٹر، نئے پرانے خیالات، لاہور، ۱۹۷۰ء، ص ۲۵

۲۱۔ ریاض صدیقی، جب لاد چلے گا بنجارہ: نفیس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۸۷ء، ص ۴۲۔۴۱

۲۲۔ کلیاتِ نظیر، ص ۶۷۲

۲۳۔ نجیب جمال، ڈاکٹر، اردو شاعری کی تہذیب (امیر خسرو سے مرزا غالب تک)، ص ۹۲

۲۴۔ ریاض صدیقی، جب لاد چلے گا بنجارہ، ص ۴۳

۲۵۔ ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر، نظیر اکبر آبادی ان کا عہد اور شاعری: اردو مرکز، لاہور، ۱۹۶۷ء، ص ۴۷

۲۶۔ ناصر کاظمی، انتخاب نظیر، مرتبہ: ناصر سلطان کاظمی: جہانگیر بک ڈپو، لاہور، ۲۰۰۳ء، ص ۱۱